سجاد حیدر یلدرم
(۱۸۸۰ء-۱۹۴۳ء)

سجاد حیدر یلدرم کے جدِّ امجد وسطِ ایشیا سے ہندوستان آئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں ان سے جاگیریں چھن گئیں تو وہ ملازمت کی طرف آ گئے۔ یلدرم یوپی کے ایک قصبے نہٹور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے، ان کا بچپن بنارس میں گزرا اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ علی گڑھ سے بی اے کیا۔ اس کے ساتھ ہی ذاتی شوق سے ترکی زبان سیکھی اور بغداد کے برطانوی قونصل خانے میں ترجمان کے طور پر کام کرنے لگے۔ کچھ عرصہ قُسطُنطُنیہ میں بھی رہے اور ترکی زبان و ادب کا مزید مطالعہ کیا۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے رجسٹرار کے طور پر کام کیا۔ پھر جزائر انڈمان میں ریونیو کمشنر رہے۔ ۱۹۴۳ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

سجاد حیدر یلدرم صاحبِ طرز ادیب، مترجم اور شاعر تھے۔ افسانہ نویسی اور ترکی زبان سے اردو میں تراجم ان کی شہرت کا سبب بنے۔ ان کے افسانوں کے بیشتر خیالات و موضوعات ترکی ادب سے ماخوذ ہیں۔ خیالستان ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں رومانیت کا رنگ غالب ہے اور یہ انشائے لطیف کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کی انشا پردازی میں حسِ مزاح بھی شامل ہے۔

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

تدریسی مقاصد

۱۔ معاشرے میں مختلف افراد کے غلط رویّوں کی نشان دہی کرنا۔
۲۔ دوستی کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اُجاگر کرنا۔
۳۔ ''وقت دولت ہے'' اس کی قدر و قیمت سے واقفیت دلانا۔
۴۔ یلدرم کے زبان و بیان سے متعارف کرانا۔
۵۔ طلبہ کو جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کو ترکیبِ نحوی میں ڈھالنے کی تربیت دینا۔

اور کوئی طلب ابنائے زمانہ سے نہیں
مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا

ایک دن مَیں دِلّی کے چاندنی چوک میں سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک فقیر پر پڑی، جو بڑے مؤثر طریقے سے اپنی حالتِ زار لوگوں سے بیان کرتا جا رہا تھا۔ دو تین منٹ کے وقفے کے بعد یہ درد سے بھری اسپیچ انھی الفاظ اور اسی پیرائے میں دُہرادی جاتی تھی۔ یہ طرز کچھ مجھے ایسا خاص معلوم ہوا کہ مَیں اس شخص کو دیکھنے اور اس کے الفاظ سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس فقیر کا قد لمبا، جسم موٹا تازہ تھا اور چہرہ ایک حد تک خوب صورت ہوتا، مگر بدمعاشی اور بے حیائی نے صورت مَسخ کر دی تھی۔ یہ تو اس کی شکل تھی۔ رہی اس کی صدا، تو مَیں ایسا قسیُّ القلب نہیں ہوں کہ صرف اس کا مختصر سا خلاصہ لکھ دوں۔ وہ اس قابل ہے کہ لفظ بہ لفظ لکھی جائے۔ چناں چہ وہ اسپیچ یا صدا، جو کچھ کہیے، یہ تھی:

''اے بھائی مسلمانو! خدا کے لیے مجھ بدنصیب کا حال سنو۔ مَیں آفت کا مارا سات بچوں کا باپ ہوں۔ اب روٹیوں کو محتاج ہوں اور اپنی مصیبت ایک ایک سے کہتا ہوں۔ مَیں بھیک نہیں مانگتا۔ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے وطن کو چلا جاؤں، مگر کوئی خدا کا پیارا مجھے گھر بھی نہیں پہنچاتا۔ بھائی مسلمانو! مَیں غریب الوطن ہوں۔ میرا کوئی دوست نہیں، ہائے میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خدا کے بندو! میری سنو، مَیں غریب الوطن ہوں.....''

فقیر تو یہ کہتا ہوا اور جن پر اس قصے کا اثر ہوا، ان کی خیرات لیتا ہوا آگے بڑھ گیا، لیکن میرے دل میں چند خیالات پیدا ہوئے اور مَیں نے اپنی حالت کا مقابلہ اس سے کیا اور مجھے خود تعجب ہوا کہ اکثر اُمور میں، مَیں نے اس کو اپنے سے اچھا پایا۔ یہ صحیح ہے کہ مَیں کام کرتا ہوں اور وہ مفت خوری سے دن گزارتا ہے۔ نیز یہ کہ مَیں نے تعلیم پائی ہے، وہ جاہل ہے۔ مَیں اچھے لباس میں رہتا ہوں، وہ

پھٹے پُرانے کپڑے پہنتا ہے۔ بس، یہاں تک مَیں اس سے بہتر ہوں۔ آگے بڑھ کر اُس کی حالت مجھ سے بدرجہا اچھّی ہے۔ اس کی صحت پر مجھے رشک کرنا چاہیے۔ مَیں رات دن فکر میں گزارتا ہوں، اور وہ ایسے اطمینان سے بسر کرتا ہے کہ باوجود بسورنے اور رونے کی صورت بنانے کے، اُس کے چہرے سے بشاشت نمایاں تھی۔ بڑی دیر تک غور کرتا رہا کہ اس کی یہ قابلِ رشک حالت کس وجہ سے ہے اور آخر کار مَیں اس بظاہر عجیب نتیجے پر پہنچا کہ جسے وہ مصیبت خیال کرتا ہے، وہی اس کے حق میں نعمت ہے۔ وہ حسرت سے کہتا ہے کہ ''میرا کوئی دوست نہیں۔'' مَیں حسرت سے کہتا ہوں ''میرے اتنے دوست ہیں۔'' اس کا کوئی دوست نہیں؟ اگر یہ سچ ہے، تو اُسے مبارک باد دینی چاہیے۔

مَیں اپنے دل میں یہ باتیں کرتا ہوا مکان پر آیا۔ کیسا خوش قسمت آدمی ہے، کہتا ہے: میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خوش نصیب شخص! یہیں تو تُو مجھ سے بڑھ گیا۔ لیکن کیا اس کا یہ قول صحیح بھی ہے؟

یعنی کیا اصل میں اس کا کوئی دوست نہیں، جو میرے دوستوں کی طرح اسے دن بھر میں پانچ منٹ کی بھی فُرصت نہ دے۔ مَیں اپنے مکان پر ایک مضمون لکھنے جا رہا ہوں، مگر خبر نہیں کہ مجھے ذرا سا بھی وقت ایسا ملے گا کہ مَیں تخلیے میں اپنے خیالات جمع کر سکوں اور انھیں اطمینان سے قلم بند کر سکوں، یا جو اسپیچ مجھے کل دینی ہے، اُسے سوچ سکوں۔ کیا یہ فقیر دِن دہاڑے اپنا روپیا لے جا سکتا ہے، اور اس کا کوئی دوست راستے میں نہ ملے گا اور یہ نہ کہے گا:

''بھائی جان! دیکھو، پرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے اس وقت ضرورت ہے، تھوڑا سا روپیا قرض دو۔'' کیا اس کے احباب وقت بے وقت اسے دعوتوں اور جلسوں میں کھینچ کر نہیں لے جاتے؟ کیا کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اسے نیند کے جھونکے آ رہے ہوں مگر یار دوستوں کا مجمع ہے، جو قصے پر قصہ اور لطیفے پر لطیفہ کہہ رہے ہیں اور اُٹھنے کا نام نہیں لیتے؟ کیا اسے دوستوں کے خطوں کا جواب نہیں دینا پڑتا؟ کیا اس کے پیارے دوست کی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب نہیں، جو اسے خواہ مخواہ پڑھنی پڑے اور رِیویو لکھنا پڑے؟ کیا اُسے احباب کی وجہ سے شور مچانا اور ہُو حق کرنا نہیں پڑتا؟ کیا دوستوں کے ہاں ملاقات کو اسے جانا نہیں پڑتا؟ اگر نہ جائے تو کوئی شکایت نہیں کرتا۔ اگر اِن سب باتوں سے وہ آزاد ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ ہٹّا کٹّا ہے اور مَیں نحیف و نزار ہوں۔ یا اللّٰہ، کیا اس پر بھی وہ شکر ادا نہیں کرتا، خدا جانے وہ کون سی نعمت چاہتا ہے؟ لوگ کہیں گے کہ اس شخص کے کیسے بے ہودہ خیالات ہیں۔ بغیر دوستوں کے زندگی دوبھر ہوتی ہے اور یہ ان سے بھاگتا ہے مگر مَیں دوستوں کو بُرا نہیں کہتا۔ مَیں جانتا ہوں کہ وہ مجھے خوش کرنے کے لیے میرے پاس آتے ہیں اور میرے خیر طلب ہیں مگر عملی نتیجہ یہ ہے کہ احباب کا ارادہ ہوتا ہے، مجھے فائدہ پہنچانے کا، اور ہو جاتا ہے مجھے نقصان۔ چاہے مجھ پر نفرین کی جائے، مگر مَیں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج تک میرے سامنے کوئی یہ ثابت نہ کر سکا کہ احباب کا ایک جمِّ غفیر رکھنے اور شناسائی کے دائرے کو وسیع کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ مَیں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں

کچھ کام کرنا ہے اور باتوں ہی میں عمر نہیں گزارنی ہے تو بعض نہایت عزیز دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا، چاہے اس سے میرے دل پر کیسا ہی صدمہ ہو۔

مثلاً میرے دوست احمد مرزا ہیں، جنھیں مَیں بَھڑ بَھڑ یا دوست کہتا ہوں۔ یہ نہایت معقول آدمی ہیں اور میری اُن کی دوستی نہایت پرانی اور بے تکلفی کی ہے مگر حضرت کی خِلقت میں داخل ہے کہ دو منٹ نچلا نہیں بیٹھا جاتا۔ جب آئیں گے، شور مچاتے ہوئے، چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے۔ غرض کہ اُن کا آنا بھونچال کے آنے سے کم نہیں ہے۔ جب وہ آتے ہیں تو مَیں کہتا ہوں:

''کوئی آرہا ہے قیامت نہیں۔'' اُن کے آنے کی مجھے دُور سے خبر ہو جاتی ہے، باوجود یکہ میرے لکھنے پڑھنے کا کمرا چھت پر ہے۔ اگر میرا نوکر کہتا ہے کہ ''میاں! اس وقت کام میں بہت مشغول ہیں'' تو وہ فوراً چیخنا شروع کر دیتے ہیں کہ کم بخت کو اپنی صحت کا بھی تو کچھ خیال نہیں (نوکر کی طرف مخاطب ہو کر) ''خیراتی! کب سے کام کر رہے ہیں؟ بڑی دیر سے! توبہ توبہ! اچھا بس ایک منٹ ان کے پاس بیٹھوں گا۔ مجھے خود جانا ہے۔ چھت پر ہوں گے نا؟ مَیں پہلے ہی سمجھتا تھا۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اوپر آتے ہیں اور دروازہ اس زور سے کھولتے ہیں کہ گویا کوئی گولا آ کے لگا۔ (آج تک انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا نہیں) اور آندھی کی طرح داخل ہوتے ہیں:

''آہاہاہا! آخر تمھیں مَیں نے پکڑ لیا۔ مگر دیکھو، دیکھو، میری وجہ سے اپنا لکھنا بند مت کرو۔ مَیں حرج کرنے نہیں آیا۔ خدا کی پناہ! کس قدر لکھ ڈالا ہے۔ کہو طبیعت تو اچھی ہے؟ مَیں تو صرف یہ پوچھنے آیا تھا۔ واللّٰہ! مجھے کس قدر خوشی ہوتی ہے کہ میرے دوستوں میں ایک شخص ایسا ہے، جو مضمون نگار کے لقب سے پکارا جا سکتا ہے۔ لو اب جاتا ہوں، مَیں بیٹھوں گا نہیں۔ ایک منٹ نہیں ٹھہرنے کا۔ تمھاری خیریت دریافت کرنی تھی، خدا حافظ۔''

یہ کہہ کے وہ نہایت محبت سے مصافحہ کرتے ہیں اور اپنے جوش میں میرے ہاتھ کو اس قدر دبا دیتے ہیں کہ انگلیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور مَیں قلم نہیں پکڑ سکتا۔ یہ تو علاحدہ رہا، اپنے ساتھ میرے کُل خیالات کو بھی لے جاتے ہیں۔ خیالات کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر اب وہ کہاں؟ اور دیکھا جائے تو میرے کمرے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں رہے، تاہم وہ اگر گھنٹوں رہتے تو اس سے زیادہ نقصان نہ کرتے۔ کیا مَیں انھیں چھوڑ سکتا ہوں؟ مَیں اس سے انکار نہیں کرتا کہ میری ان کی دوستی بہت پرانی ہے اور مجھ سے بھائیوں کی طرح محبت کرتے ہیں، تاہم مَیں انھیں چھوڑ دوں گا۔ ہاں چھوڑ دوں گا، اگرچہ کلیجے پر پتھر رکھنا پڑے۔

اور لیجیے! دوسرے دوست محمد تحسین ہیں۔ یہ بال بچوں والے صاحب ہیں اور رات دن انھی کی فکر میں رہتے ہیں۔ جب کبھی ملنے آتے ہیں تو تیسرے پہر کے قریب آتے ہیں جب مَیں کام سے فارغ ہو چکتا ہوں، لیکن اس قدر تھکا ہوا ہوتا ہوں کہ دل

یہی چاہتا ہے کہ ایک گھنٹہ آرام کرسی پر خاموش پڑا رہوں۔ مگر تحسین آئے ہیں، ان سے ملنا ضروری ہے۔ ان کے پاس باتیں کرنے کے لیے سوائے اپنی بیوی بچوں کی بیماری کے اَور کوئی مضمون ہی نہیں۔ مَیں کتنی ہی کوشش کروں مگر وہ اس مضمون سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر مَیں موسم کا ذکر کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں: ''ہاں! بڑا خراب موسم ہے۔ میرے چھوٹے بچے کو بخار آ گیا۔ منجھلی لڑکی کھانسی میں مبتلا ہے۔ اگر پالیٹکس ① یا لٹریچر ② کے متعلق گفتگو شروع کرتا ہوں تو تحسین فوراً معذرت پیش کرتے ہیں کہ بھائی آج کل گھر بھر بیمار ہے۔ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اخبار پڑھوں۔ اگر کسی عام جلسے میں آتے ہیں تو اپنے لڑکوں کو ضرور ساتھ لیے ہوتے ہیں اور ہر ایک سے بار بار پوچھتے رہتے ہیں کہ ''طبیعت تو نہیں گھبراتی؟ پیاس تو نہیں معلوم ہوتی؟'' کبھی کبھی نبض دیکھ لیتے ہیں اور وہاں بھی کسی سے ملتے ہیں تو گھر کی بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔

اسی طرح میرے مقدمے باز دوست ہیں، جنھیں اپنی ریاست کے جھگڑوں، اپنے فریقِ مخالف کی برائیوں اور جج صاحب کی تعریف یا مذمّت کے (تعریف اس حالت میں جب کہ انھوں نے مقدمہ جیتا ہو) اور کوئی مضمون نہیں، مِن جُملہ اَور بہت سے مختلف قسموں کے دوستوں کے، مَیں محمد شاکر خاں صاحب کا ذکر خصوصیت سے کروں گا، کیوں کہ وہ مجھ پر خاص عنایت فرماتے ہیں۔ شاکر خاں صاحب موضع سلیم پور کے رئیس اور ضلع بھر میں نہایت مُعَزَّز آدمی ہیں۔ انھیں اپنی لیاقت کے مطابق لٹریچر کا بہت شوق ہے۔ لٹریچر پڑھنے کا اتنا نہیں، جتنا لٹریری ③ آدمیوں سے ملنے اور تعارف پیدا کرنے کا۔ ان کا خیال ہے کہ اہلِ علم کی تھوڑی سی قدر کرنا، امرا کے شایانِ شان ہے۔ ایک مرتبہ میرے ہاں تشریف لائے اور بہت اصرار سے مجھے سلیم پور لے گئے، یہ کہہ کے:

''شہر میں رات دن شور و شغب رہتا ہے۔ دیہات میں کچھ عرصہ رہنے سے تبدیلیِ آب و ہوا بھی ہوگی اور وہاں مضمون نگاری بھی زیادہ اطمینان سے کر سکو گے۔ مَیں نے ایک کمرا خاص تمھارے واسطے آراستہ کرایا ہے، جس میں پڑھنے لکھنے کا سب سامان مہیا ہے۔ تھوڑے دن رہ کے چلے آنا۔ دیکھو، میری خوشی کرو۔''

مَیں ایسے محبت آمیز اصرار پر انکار کیسے کر سکتا تھا؟ مختصر سا سامان پڑھنے لکھنے کا لے کر مَیں ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایڈیٹر معارف سے وعدہ کر چکا تھا کہ ایک خاص عرصے میں اُن کی خدمت میں ایک مضمون بھیجوں گا۔ شاکر صاحب کی کوٹھی پر پہنچ کر مَیں نے وہ کمرا دیکھا، جو میرے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی کھڑکی پائیں باغ کی طرف کھلتی تھی اور ایک نہایت ہی دل فریب نیچرل ④ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔ صبح کو مَیں نیچے ناشتے کی غرض سے بلایا گیا۔ جب دوسرا پیالا چائے کا پی چکا تو اپنے کمرے کو جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ چاروں طرف سے اِصرار ہونے لگا کہ: ''ہیں! ہیں؟ کہیں ایسا غضب نہ کرنا کہ آج ہی سے کام شروع کر دو۔ اپنے دماغ کو کچھ تو آرام دو اور آج کا دن تو خاص کر اس قابل ہے کہ سِینری کا لطف اٹھانے میں گزارا جائے۔

۱۔ Politics

۲۔ Literature

۳۔ Literary

۴۔ Natural

چلیے، گاڑی تیار کراتے ہیں، دریا پر مچھلی کا شکار کھیلیں گے، پھر وہاں سے دو میل پر احمد نگر ہے۔ آپ کو وہاں کے رئیس راجا طالِب علی صاحب سے ملائیں گے۔''

میرا ماتھا وہیں ٹھنکا کہ اگر یہی حال رہا تو یہاں بھی فرصت معلوم! خیر سیکڑوں حیلے حوالوں سے اس وقت تو مَیں بچ گیا اور میرے میزبان بھی میری وجہ سے نہ گئے مگر مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جس عنقا، یعنی یک سُوئی کی تلاش میں مَیں سرگرداں تھا، وہ مجھے یہاں بھی نہ ملے گی۔

مَیں جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا اور اس وقت ذرا غور سے اس میز کے سامان کو دیکھا، جو میرے لکھنے پڑھنے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ میز پر نہایت قیمتی کام دار کپڑا پڑا ہوا تھا، جس پر ایک قطرہ گرانا گناہِ کبیرہ سے کم نہ ہوگا۔ چاندی کی دوات، مگر سیاہی دیکھتا ہوں تو سوکھی ہوئی۔ انگریزی قلم نہایت قیمتی اور نایاب، مگر اکثر میں نِب ندارد، جاذب کاغذ ایک مخملی جلد کی کتاب میں، مگر لکھنے کے کاغذ کا پتا نہیں۔ اسی طرح بہت سا اعلیٰ درجے کا بیش قیمت سامان میز پر تھا مگر اکثر اس میں سے میرے کام کا نہیں اور جو چیزیں ضرورت کی تھیں، وہ موجود نہیں۔ آخر کار مَیں نے وہی اپنا پرانا استعمالی، مگر مفید بکس اور اپنی معمولی دوات اور قلم (جس نے اب تک نہایت ایمان داری سے میری مدد کی تھی اور میرے پرّاں خیالات کو تیزی کے ساتھ قفسِ کاغذ میں بند کیا تھا) نکالا، اور لکھنا شروع کیا۔ یہ ضرور ہے کہ جن مرغانِ خوش نوا کی تعریف میں شعرا اس قدر رَطبُ اللِّسان ہیں، ان کی عنایت سے مَیں خوش نہیں ہوا کہ سب کے سب میرے کمرے کے نیچے درخت پر جمع ہو گئے اور شور مچانا شروع کر دیا، تاہم مَیں نے کوشش کر کے اُن کی طرف سے کان بند کر لیے اور کام میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔

تن تن، تننتانا، چھن، تاتن، تن، تن، تن، مَیں ایسا مصروف تھا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ یکا یک اس تن تن نے چونکا دیا۔ یہ کیا ہے؟ اُفوہ! اب مَیں سمجھا، میرے کمرے کے قریب شاکر خاں صاحب کے چھوٹے بھائی کا کمرہ ہے! انھیں موسیقی میں بہت دخل ہے۔ اس وقت ستار سے شوق فرما رہے تھے۔ بہت خوب بجا رہے ہیں۔

کوئی آدھ گھنٹہ انھوں نے موسیقی کی مشق فرما کر مجھے میری خواہش کے خلاف محظوظ فرمایا۔ پھر کسی وجہ سے وہ اپنے کمرے سے چلے گئے اور خاموشی طاری ہو گئی تو مجھے پھر اپنے کام کا خیال آیا۔

''اے میرے خیالات! تمھی میرا گنجینہ، میرا خزانہ ہو، خدا کے لیے رحم کرو۔ میرے دماغ میں پھر آ جاؤ۔'' یہ کہہ کے مَیں کاغذ کی طرف متوجہ ہوا کہ دیکھوں، کہاں چھوڑا ہے۔

''جن کی قدر آپ کہاں بھول پڑے، اتنے دنوں کہاں رہے؟''

یہ کیا مُہمل فقرہ ہوا! لاحول ولاقوۃ۔ مَیں بھی کیا گڑبڑ کر رہا ہوں۔

''آپ کہاں بھول پڑے، اتنے دنوں کہاں رہے۔'' یہ فقرے تو شاکر خاں صاحب نے کسی دوست سے کہے ہیں، جو ابھی اُن سے ملنے آیا ہے۔ مَیں مصروفیت میں انھیں ہی لکھ گیا۔

ہاں تو کاٹ کے فقرہ درست کرنا چاہیے ''اور جن کی قدر ابھی تک ملک وقوم کو معلوم نہیں ہوئی ہے اور باہر.....

کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

''کون ہے؟''

''مَیں ہوں شبّن! سرکار نے کہا ہے کہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو نیچے ذرا سی دیر کے لیے تشریف لائیے۔ کوئی صاحب آئے ہوئے ہیں اور سرکار انھیں آپ سے ملانا چاہتے ہیں۔''

بادلِ ناخواستہ مَیں اٹھا اور نیچے گیا۔ شاکر صاحب کے دوست راجا طالب علی صاحب تشریف لائے تھے۔ ان سے میرا تعارف کرایا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تشریف لے گئے اور مجھے بھی فرصت ملی اور مَیں نے یک سُو ہو کر لکھنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شبّن نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ معلوم ہوا کہ میری پھر یاد ہوئی۔ ہمارے میزبان کے کوئی اَور دوست آئے ہوئے ہیں اور مَیں انھیں دِکھایا جاؤں گا۔ گویا مَیں بھی مثل اس عربی گھوڑے کے تھا، جسے میزبان نے حال ہی میں خریدا تھا اور جو ہر دوست کو اصطبل سے منگا کے دِکھایا جاتا تھا۔ ان دوست سے نجات پا کر اور بھاگ کر مَیں پھر اپنے کمرے میں آیا، خیالات غائب ہو گئے تھے۔ فقرہ از سرِ نو پھر بنانا پڑا۔ طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ بہ ہزار دِقّت پھر بیٹھا اور لکھنا شروع کیا۔ اب کی مرتبہ خوش قسمتی سے کوئی آدھ گھنٹہ ایسا ملا، جس میں کوئی آیا گیا نہیں۔ اب میرا قلم تیزی سے چل رہا تھا اور مَیں لکھ رہا تھا:

''ہم کو کامل یقین ہے کہ ہمارے ملک کے قابل نوجوان، جنھیں تفتیش اور تحقیقات کا شوق ہے اور جو کولمبس[1] کی طرح نئی معلومات اور نئی دنیا (گو وہ علمی دنیا ہی کیوں نہ ہو) کے دریافت کرنے کے لیے اپنے تئیں.....''

دروازے پر پھر دستک۔

''کیا ہے؟''

''اچھا''

''دریافت کرنے کے لیے اپنے تئیں خطرے میں ڈالنے سے بھی خوف نہیں کھاتے، ضرور اس طرف متوجہ ہوں گے اور اپنی کاوشوں اور کوششوں سے موجودہ.....''

دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا۔

۱۔ کولمبس، ایک یورپی جہاز ران جس نے ہندوستان کی طرف سفر کرتے ہوئے برِّ اعظم شمالی امریکہ دریافت کیا۔

''ہاں''

''حضور! سرکار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے۔''

''افوہ! مجھے خیال نہیں رہا۔ سرکار سے عرض کرنا: میرا انتظار نہ کریں، مَیں پھر کھا لوں گا۔ اس وقت مجھے کچھ ایسی بھوک نہیں۔''

''.....اور آیندہ نسلوں کو زیرِ بارِ احسان کریں گے۔ یہی نوجوان ہیں، جو قوم کی کشتی کو، خدا کی مدد پر بھروسا کر کے، خطرات سے بچاتے اور ساحلِ مراد تک پہنچاتے ہیں۔ زندگی اور موت کا لاینحل مسئلہ.....''

دستک

''کیا ہے؟''

''سرکار کہتے ہیں، اگر آپ تھوڑی دیر میں کھائیں گے تو ہم بھی اسی وقت کھائیں گے، مگر کھانا ٹھنڈا ہو کے بالکل خراب ہو جائے گا۔''

''اچھا بھائی، لو ابھی آیا۔''

یہ کہہ کے مَیں کھانے کے لیے جاتا ہوں، سب سے معذرت کرتا ہوں۔ میزبان نہایت اخلاق سے فرماتے ہیں: ''چہرے پر تھکن معلوم ہوتی ہے۔ کیا بہت لکھ ڈالا، دیکھو! میں تم سے کہتا تھا نا کہ شہر میں ایسی فرصت اور خاموشی کہاں؟''

سوائے اس کے کہ مَیں آمنّا وصدّقنا کہوں اور کیا کہہ سکتا تھا؟ اب کھانے پر اِصرار ہوتا ہے، جس چیز سے مجھے رغبت نہیں، وہی کھلائی جاتی ہے۔ بعد کھانے کے میزبان صاحب فرماتے ہیں: ''سہ پہر کو تمھیں گاڑی میں چلنا ہوگا۔ مَیں تمھیں اس واسطے یہاں نہیں لایا کہ سخت دماغی کام کر کے اپنی صحت خراب کر لو۔''

واپس کمرے میں آ کر مَیں تھوڑی دیر اس غرض سے لیٹتا ہوں کہ خیالات جمع کر لوں اور پھر لکھنا شروع کر دوں مگر اب خیالات کہاں؟ مضمون اٹھا کر دیکھتا ہوں: ''زندگی اور موت کا لاینحل مسئلہ!'' اس کے متعلق کیا لکھنے والا تھا؟ ان الفاظ کے بعد کون سے الفاظ دماغ میں تھے؟ اب کچھ خیال نہیں کہ اس کو پہلے فقروں سے کیوں کر ربط پیدا کرنا تھا۔ یوں ہی پڑے پڑے نیند آ جاتی ہے۔ تیسرے پہر اٹھتا ہوں تو دماغ بہت صحیح پاتا ہوں۔ ''زندگی اور موت کا لاینحل مسئلہ'' بالکل حل ہو جاتا ہے۔ پورا فقرہ آئینے کی طرح صاف نظر آتا ہے۔ میں خوشی خوشی اٹھ کر میز پر گیا اور لکھنا چاہتا تھا کہ پھر وہی دستک!

نوکر اطلاع دیتا ہے کہ گاڑی تیار ہے، سرکار کپڑے پہنے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ مَیں فوراً نیچے جاتا ہوں تو پہلا فقرہ، جو میزبان صاحب کہتے ہیں، وہ ہوتا ہے: ''آج تو دستے کے دستے لکھ ڈالے۔'' مَیں سچی بات کہوں کہ ''کچھ بھی نہیں لکھا۔'' تو وہ ہنس کے جواب دیتے ہیں کہ ''آخر اس قدر کسرِ نفسی کی کیا ضرورت ہے:

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
مجھے یقیں ہوا اور مجھ کو اعتبار آیا‘‘

مِل ملا کر شام کو واپس آئے۔ کھانے کے بعد باتیں ہوتی ہیں۔ سونے کے وقت اپنا دن بھر کا کام دیکھتا ہوں تو ایک صفحے سے زیادہ نہیں، وہ بھی بے ربط و بے سلسلہ۔ غصے اور رنج میں آ کر اسے پھاڑ دیتا ہوں اور دوسرے روز اپنے میزبان کو ناراض کر کے اپنے گھر واپس چلا آتا ہوں۔ مَیں ناشکرا اور احسان فراموش کہا جاؤں گا مگر مَیں مجبور ہوں، اس عزیز اور مہربان دوست کو بھی چھوڑ دوں گا۔

مَیں نے ذرا تفصیل سے ان کا حال بیان کیا ہے مگر یہ خیال نہ کرنا کہ یہیں اُن اَحباب کی فہرست ختم ہوگئی، جن سے مَیں رخصت طلب کر سکتا ہوں۔ نہیں، ابھی بہت سے باقی ہیں، مثلاً ایک صاحب ہیں، جو مجھ سے کبھی نہیں ملتے مگر جب آتے ہیں، مَیں ان کا مطلب سمجھ جاتا ہوں۔ یہ حضرت ہمیشہ قرض مانگنے کے لیے آتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں، جو ہمیشہ ایسے وقت میں آتے ہیں جب مَیں باہر جانے والا ہوتا ہوں۔ ایک صاحب ہیں، جب مجھ سے ملتے ہیں کہتے ہیں: ’’میاں! عرصے سے میرا دل چاہتا ہے، تمھاری دعوت کروں۔‘‘ مگر کبھی اپنی خواہش کو پورا نہیں کرتے۔ ایک دوست ہیں، وہ آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔ جب مَیں جواب دیتا ہوں تو متوجہ ہو کر نہیں سنتے یا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں یا گانے لگتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں، جو جب آتے ہیں، اپنی ہی کہے جاتے ہیں، میری نہیں سنتے۔

یہ سب میرے عنایت فرما اور خیر طلب ہیں۔ مگر اپنی طبیعت کو کیا کروں، صاف صاف کہتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک سے کہہ سکتا ہوں:

مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا

☆☆☆☆

(خیالستان)

مشق

ا۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:

(الف) چاندنی چوک میں فقیر کی تقریر کا لُبِّ لُباب کیا تھا؟

(ب) مصنّف پر اس فقیر نے کیا اثر کیا؟

(ج) مصنّف کو اپنے بے تکلف دوست بھڑ بھڑیا سے کیا شکایت ہے؟

(د) محمد تحسین کی گفتگو کا محور کیا ہوتا ہے؟

(ہ) مصنّف کے کون سے دوست ادب کے زیادہ دل دادہ ہیں؟

۲۔ سبق کے متن کو نظر رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) آفت کا مارا فقیر کتنے بچوں کا باپ تھا:

(i) تین (ii) پانچ

(iii) سات (iv) نو

(ب) مصنف نے کس مصیبت کو فقیر کے لیے نعمت تصوّر کیا ہے؟

(i) روٹی کی محتاجی (ii) دوست نہ ہونا

(iii) غریب الوطنی (iv) بھیک مانگنا

(ج) مصنف نے کس دوست کو بھڑ بھڑیا دوست کہا ہے؟

(i) محمد تحسین (ii) احمد مرزا

(iii) قرض خواہ دوست (iv) مقدمے باز دوست

(د) شاکر صاحب مصنف کو لے گئے:

(i) سلیم پور (ii) دِلّی

(iii) جے پور (iv) شاہ پور

(ہ) مصنف کا دوست زیادہ بے تکلف اور شور مچانے والا ہے:

(i) احمد مرزا (ii) شاکر صاحب

(iii) قرض خواہ دوست (iv) محمد تحسین

(و) مصنف کے دوست اُنھیں راجا صاحب سے ملوانے کہاں لے جانا چاہتے تھے؟

(i) جام نگر (ii) احمد نگر

(iii) الٰہ آباد (iv) احمد آباد

(ز) مصنف جس کمرے میں ٹھہرائے گئے اس کی کھڑکی کھلتی تھی:

(i) باغ میں (ii) چٹیل میدان کی طرف

(iii) پائیں باغ میں (iv) دریا کی سمت

۳۔ متن کی روشنی میں درست لفظ چن کر خالی جگہ پُر کیجیے:

(الف) چاندنی چوک میں صدا لگانے والا فقیر.....تھا۔ (بھوکا، بیمار، غریب الوطن)

(ب) احمد مرزا کی خِلقت میں داخل ہے کہ دو منٹ.....نہیں بیٹھا جاتا۔ (خاموش، نچلا، پُرسکون)

(ج) مصنّف کو لکھنے پڑھنے سے منع کرنے والے دوست کا نام..... ہے۔ (احمد مرزا، محمد تحسین، شاکر خاں)

(د) احمد نگر کے رئیس کا نام..... ہے۔ (شاکر خاں، احمد علی، طالب علی)

(ہ) میرے.....دوست کا نام شاکر خاں ہے۔ (ادب پسند، مقدمے باز، شکاری)

۴۔ سبق کے متن کو مدِّنظر رکھ کر درست یا غلط پر نشان (√) لگائیں:

(الف) چاندنی چوک میں ایک بدصورت فقیر صدا لگا رہا تھا۔ درست/ غلط

(ب) فقیر کے پاس سب کچھ تھا، اُس کا کوئی دوست نہ تھا۔ درست/ غلط

(ج) احمد مرزا کو مصنف نے ''بھڑ بھڑیا'' کا نام دیا ہے۔ درست/ غلط

(د) شاکر خاں کے ہاں سیاہی کی دوات خشک اور قلم بغیر نِب کے تھا۔ درست/ غلط

(ہ) شاکر خاں کے بھائی کو موسیقی سے نفرت تھی۔ درست/ غلط

۵۔ سیاق وسباق کے حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح کیجیے:

(الف) دیکھو پرانی دوستی کا واسطہ.....کون سی نعمت چاہتا ہے؟

(ب) بادلِ نخواستہ مَیں .....مَیں لکھ رہا تھا۔

۶۔ اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷۔ مندرجہ ذیل تراکیب اور محاورات کو اپنے الفاظ میں استعمال کیجیے:

لفظ بہ لفظ، نحیف ونزار، زندگی دوبھر ہونا، نچلا نہ بیٹھنا، کلیجے پر پتھر رکھنا، شایانِ شان، ماتھا ٹھنکنا، رَطبُ اللّسان

جملہ اِسمیہ اور جملہ فعلیہ کی ترکیبِ نحوی:

کسی جملے کے اجزا الگ الگ کرنے اور ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے کو ترکیبِ نحوی کہتے ہیں۔

ترکیبِ نحوی کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جملہ، جملہ اِسمیہ ہوتا ہے یا جملہ فعلیہ۔ اگر کسی شعر یا مصرعے کی ترکیبِ نحوی کرنا مقصود ہو تو اسے نثر میں تبدیل کرتے ہیں۔ ان کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے:

جملہ اِسمیہ: فعلِ ناقص، مبتدا، خبر اور متعلق خبر۔

جملہ فعلیہ: فعلِ تام، فاعل، مفعول اور متعلق خبر۔

مثالیں: احمد ہوشیار ہے.....اس میں ''ہے'' فعلِ ناقص، ''احمد'' مبتدا اور ''ہوشیار'' خبر ہے۔

شاہد اور امان حاضر تھے.....اس جملے میں ''تھے'' فعلِ ناقص ہے، ''شاہد اور امان'' مبتدا اور ''حاضر'' خبر ہے۔

اب جملہ فعلیہ کی مثال دیکھیے:

جمیلہ کتاب پڑھتی ہے۔

''پڑھتی ہے''، فعل ''جمیلہ'' فاعل ہے اور ''کتاب'' مفعول ہے۔

اقبال نے مون مارکیٹ سے نیا قلم خریدا۔

''خریدا''، فعل، ''اقبال'' فاعل، ''نے'' علامتِ فاعل، ''مون مارکیٹ'' مجرور اور ''سے'' حرفِ جار۔

''مون مارکیٹ سے''، متعلق فعل، ''نیا'' صفت، ''قلم'' موصوف، ''نیا قلم'' مفعول۔ یہ جملہ فعلیہ ہے۔

۸۔ اب آپ درجِ ذیل جملوں اور مصرعوں کی ترکیبِ نحوی کیجیے:

(الف) شاہ رُخ اسلم کا بھائی ہے۔

(ب) شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔

(ج) تندرستی ہزار نعمت ہے۔

(د) رافعہ اور مومنہ کتابیں خریدنے گئیں۔

(ہ) شہریار بیمار ہے۔

افسانہ

یہ اُس فرضی کہانی کو کہتے ہیں جو مختصر، دل چسپ اور واقعاتی لحاظ سے زندگی کے کسی پہلو پر روشنی ڈالے۔ اس کے کردار فرضی ہوتے ہیں لیکن حقیقی نظر آتے ہیں۔ اس کی طوالت اتنی ہوتی ہے کہ ایک نشست میں پڑھا جا سکتا ہے۔ وحدتِ تاثّر اس کی بڑی خوبی ہوتی ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ دوستی کے موضوع پر دو دوستوں کے درمیان مختصر مکالمہ تحریر کریں۔

۲۔ دوستی کے حق اور مخالفت میں جماعت کے کمرے میں ایک مباحثہ کرایا جائے۔ اس میں دونوں طرف سے تین تین طلبہ دلائل دیں۔

اساتذہ کرام کے لیے

۱۔ طلبہ پر دوستی کا صحیح مفہوم واضح کیا جائے۔

۲۔ مختلف مثالوں کے ذریعے سے طلبہ کو وقت کی اہمیت کا احساس دلایا جائے۔

۳۔ طلبہ پر واضح کیا جائے کہ اپنے من پسند کام میں مصروف رہنے ہی سے انسان خوش رہ سکتا ہے۔